قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ
الفضل
لندن

مدیر: ابوسعید

Online Edition

جمعرات 10 ستمبر 2020ء | 22 محرم الحرام 1442 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 215

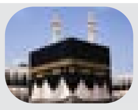

ارشادباری تعالیٰ

وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

(ابراھیم: 13)

ترجمہ: اور ہم کیوں نہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ حالانکہ اس نے ہمیں ہمارے (مناسب حال) راستے ہمیں دکھائے ہیں اور جو تم نے ہمیں تکلیفیں دی ہیں ہم ضرور ان پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔

فرمان خلیفہ وقت

توکّل کی اعلیٰ ترین مثالیں تو حضرت اقدس محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہی رقم فرمائی ہیں اور کیوں نہ ہو، آپ ہی تو انسان کامل تھے۔ اور ساتھ ہی امت کو بھی سبق دے دیا کہ میری پیروی کرو گے، خدا سے دل لگاؤ گے، اس کی ذات پر ایمان اور یقین پیدا کرو گے تو تمہیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اور اپنے پر توکّل کرنے کے نتیجہ میں وہ تمہیں بھی اپنے حصار عافیت میں لے لے گا۔

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے توکل کے بارہ میں بعض احادیث میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ یہ بچپن سے ہم سنتے آرہے ہیں لیکن جب بھی پڑھیں ایمان میں ایک نئی تازگی پیدا ہوتی ہے اور ایمان مزید بڑھتا ہے۔

وہ واقعہ یاد کریں جب سفر طائف سے واپسی پر رسول اللہؐ نے کچھ روز نخلہ میں قیام فرمایا۔ زید بن حارثہؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! اب آپ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے جبکہ وہ آپ کو نکال چکے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کس شان سے، توکل سے جواب دیا کہ اے زید تم دیکھو گے کہ اللہ ضرور کوئی راہ نکال دے گا اور اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ وہ اپنے نبی کو غالب کرکے رہے گا۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے سرداران قریش کو پیغام بھجوائے کہ آپ کو اپنی پناہ میں لے کر مکہ میں داخل کرنے کا انتظام کریں۔ کئی سرداروں نے انکار کر دیا بالآخر مکہ کے ایک شریف سردار مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی پناہ میں مکہ میں داخل کرنے کا اعلان کیا۔ پھر آخر کار جب مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے اور مکہ سے ہجرت کا وقت آیا تو کمال وقار سے آپؐ نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔ غار میں پناہ کے وقت دشمن جب سر پر آن پہنچا تو پھر بھی کس شان سے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ اس بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ مَیں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ غار میں تھا۔ مَیں نے اپنا سر اٹھا کر نظر کی تو تعاقب کرنے

بقیہ صفحہ 2 پر

اس شمارہ میں

- تعارف سورۃ فرقان
- ہستی باری تعالیٰ (قسط دوم)
- والدہ محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ کا ذکرِ خیر
- والدین کی خدمت میں دین و دنیا کی بھلائی

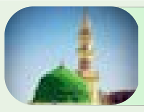

فرمانِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

حضرت طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابو درداء کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کا گھر جل گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرا گھر نہیں جلا۔ پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرا گھر نہیں جلا۔ پھر تیسرا شخص آیا اور کہا کہ اے ابو درداءؓ! آگ لگی تھی اور جب آپ کے گھر کے قریب پہنچی تو بجھ گئی۔ آپؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا۔ حاضرین مجلس نے حضرت ابو درداء سے کہا کہ آپؓ کی دونوں باتیں عجیب ہیں۔ پہلے (یہ کہنا) کہ میرا گھر نہیں جلا اور پھر یہ کہنا کہ مجھے علم تھا کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ مَیں نے ان کلمات کی وجہ سے کہا تھا جو مَیں نے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ جس نے یہ کلمات صبح کے وقت کہے اسے شام تک کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات کہے اسے صبح تک کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَلَیْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ مَاشَاءَ اللّٰہُ كَانَ وَلَمْ یَشَاءْ لَمْ یَكُنْ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّی عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

یعنی اے میرے اللہ! تو ہی میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَیں تجھ پر ہی توکل کرتا ہوں اور تو ہی عرش عظیم کا رب ہے۔ اور جو تو نے چاہا ہو گیا اور جو نہ چاہا وہ واقعہ نہ ہوا۔ اعلیٰ اور عظمت والے اللہ کے سوا کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔ اور مَیں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ اے اللہ مَیں اپنے نفس کے شر اور ہر اس جاندار کے شر سے جو تیرے قبضۂ قدرت میں ہے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ یقیناً میرا رب سیدھے راستہ پر ہے۔

(الدعاء للطبرانی باب القول عند الصباح والمساء)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

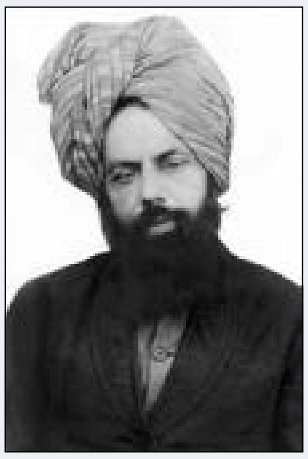

تدبیر اور توکل

تدبیر اور توکل پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: 23) سے ایک نادان دھوکا کھاتا ہے اور تدابیر کے سلسلہ کو باطل کرتا ہے حالانکہ سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعۃ 11) کہ تم زمین میں منتشر ہو جاؤ اور خدا کے فضل کی تلاش کرو۔ یہ ایک بہت ہی نازک معاملہ ہے کہ ایک طرف تدابیر کی رعایت ہو اور دوسری طرف توکل بھی پورا ہو۔ اور اس کے اندر شیطان کو وساوس کا بڑا موقعہ ملتا ہے (بعض لوگ ٹھوکر کھا کر اسباب پرست ہو جاتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کے عطا کردہ قویٰ کو بیکار محض خیال کرنے لگ جاتے ہیں) آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب جنگ کو جاتے تو تیاری کرتے۔ گھوڑے، ہتھیار بھی ساتھ لیتے بلکہ آپ بعض اوقات دو دو زرہ پہن کر جاتے۔ تلوار بھی کمر سے لٹکاتے حالانکہ ادھر خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ 68) بلکہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجویز فرمایا کہ اگر شکست ہو تو آپ کو جلد مدینہ پہنچا دیا جاوے اصل بات یہ ہے کہ قوی الایمان کی نظر استغناءِ الٰہی پر ہوتی ہے اور اسے خوف ہوتا ہے کہ خدا کے وعدوں میں کوئی ایسی منفی شرط نہ ہو جس کا اسے علم نہ ہو جو لوگ تدابیر کے سلسلہ کو بالکل باطل ٹھہراتے ہیں ان میں ایک زہریلا مادہ ہوتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر بلا آوے تو دیدہ دانستہ اس کے آگے جا پڑیں اور جس قدر پیشہ والے اور اہل حرفت ہیں وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاویں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 604، 605)

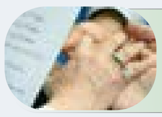

دربارِ خلافت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

اولاد کو دین سکھانے اور دین سے منسلک رکھنے کے لئے، ان کی دینی تربیت کی طرف کم از کم اتنی کوشش تو انسان کی ہو جتنی دنیاوی کوششیں ہوتی ہیں۔ دنیا کی طرف زیادہ کوشش ہوتی ہے اور دین کی طرف بہت کم کوشش۔ اسی وجہ سے پھر بعض لوگوں کو ابتلاء بھی آتے ہیں۔ مشکلات میں بھی پڑتے ہیں۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ ''بعض اوقات صاحب جائیداد لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کوئی اولاد ہو جاوے جو اس جائیداد کی وارث ہو''۔ گویا کہ اولاد کی خواہش صرف جائیداد کے لئے ہے تا کہ جائیداد غیروں کے ہاتھ میں نہ چلی جاوے۔ آپ فرماتے ہیں ''مگر وہ نہیں جانتے کہ جب مر گئے تو شرکاء کون اور اولاد کون؟ سبھی غیر بن جاتے ہیں۔'' پھر فرمایا کہ ''اولاد کے لئے اگر خواہش ہو تو اس غرض سے ہو کہ وہ خادمِ دین ہو۔''

(ماخوذ از ملفوظات جلد 8 صفحہ 110۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں یہ بھی دعا سکھائی کہ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الاحقاف: 16) کہ میرے لئے میری ذریّت کی بھی اصلاح کر دے۔ یقیناً مَیں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بلا شبہ مَیں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ یہاں اولاد کی اصلاح کرنے کی دعا کی ہے تو ساتھ اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ میں تیری طرف رجوع کرنے والوں اور فرمانبرداروں میں سے بنوں یا ہوں۔ پس اولاد کے لئے جب دعا ہو تو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری ضروری ہے تبھی دعا قبول ہوتی ہے۔ پس ماں کی بھی اور باپ کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی اصلاح کے لئے، ان کی تربیت کے لئے مستقل اللہ تعالیٰ سے اپنی اولاد کی بہتری کے لئے دعا مانگتے رہیں اور اپنے نمونے اولاد کے لئے قائم کریں۔ اگر اپنے نمونے اس تعلیم کے خلاف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اگر اپنے نمونے اس نصیحت کے خلاف ہیں جو ماں باپ بچوں کو کرتے ہیں تو پھر اصلاح کی دعا میں نیک نیتی بھی نہیں ہوتی۔ اور جب اس طرح کا عمل نہ ہو تو پھر یہ شکوہ بھی غلط ہے کہ ہم نے اپنی اولاد کے لئے بہت دعا کی تھی لیکن پھر بھی وہ بگڑ گئی یا ہمیں ابتلاء میں ڈال دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک بڑی جامع دعا بیان فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو شیطان کے حملوں سے بچنا چاہتے ہیں اور بچتے ہیں، جو رحمان خدا کے بندے بننا چاہتے ہیں ان کی جو بعض خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (الفرقان: 75) کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے جیون ساتھیوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔ یہ دعا اولاد کے لئے اور اپنے جیون ساتھیوں کے لئے مَردوں کو بھی کرنی چاہئے اور عورتوں کو بھی۔ جب عورت اور مرد نیک اور صالح اولاد کی خواہش رکھتے ہوئے دعا کرتے ہیں تو پھر اولاد کی پیدائش کے بعد بھی ان کے کام ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ماں بھی اور باپ بھی، بیوی بھی اور خاوند بھی اپنے اپنے دائرے میں نگران اور امام ہیں۔ اور یہ حق اسی وقت ادا ہو گا جب خود بھی تقویٰ پر چلنے والے ہوں گے اور بچوں کے لئے دعا کرنے والے ہوں گے اور اپنے اعمال کو بھی دیکھنے والے ہوں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کے حوالے سے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ آپ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ''نکاح سے ایک اور غرض بھی ہے جس کی طرف قرآن کریم میں یعنی سورۃ الفرقان میں اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (الفرقان: 75) یعنی مومن وہ ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے خدا! ہمیں اپنی بیویوں کے بارے میں اور فرزندوں کے بارے میں دل کی ٹھنڈک عطا کر اور ایسا کر کہ ہماری بیویاں اور ہمارے فرزند نیک بخت ہوں اور ہم ان کے پیش رَو ہوں۔''

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 23) (خطبہ جمعہ 14/ جولائی 2017ء)

آج کی دعا

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ فِیۡ قَلۡبِیۡ نُوۡرًا، وَفِیۡ لِسَانِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ فِیۡ سَمۡعِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ فِیۡ بَصَرِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ مِنۡ خَلۡفِیۡ نُوۡرًا، وَمِنۡ اَمَامِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ مِنۡ فَوۡقِیۡ نُوۡرًا، وَمِنۡ تَحۡتِیۡ نُوۡرًا، اَللّٰھُمَّ اَعۡطِنِیۡ نُوۡرًا۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب الدعاء فی صلاۃ اللیل)

ترجمہ: ''اے اللہ تعالیٰ! میرے دل میں نور بھر دے اور میری زبان میں بھی۔ میرے کانوں میں نور ڈال دے اور میری آنکھوں میں بھی۔ میرے پیچھے بھی نور کر دے اور میرے آگے بھی۔ میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے بھی۔ اے اللہ تعالیٰ! مجھے نور ہی نور عطا فرما۔''

یہ پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تہجد کے وقت پڑھنے کی بہترین دعا ہے۔

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

سکون آدمی کا، خود کی جستجو ٹھہرا

کبھی تو وصل کبھی ہجر رو برو ٹھہرا
پر عشق دونوں زمانوں میں سرخرو ٹھہرا

محبتوں کا شجر ایسا با ثمر نکلا
بہار میں بھی خزاں میں بھی خوبرو ٹھہرا

نہ آبگینوں میں پایا نہ نازنینوں میں
سکون آدمی کا، خود کی جستجو ٹھہرا

رہینِ لفظ نہیں ہے وہ شاعرِ کم گو
کہ جس کا مشغلہ جذبوں سے گفتگو ٹھہرا

ظفرؔ نے جب بھی پڑھا اپنے دل کے نقشے کو
تو ذرّہ ذرّہ وہ عالم سا ہوبہو ٹھہرا

(مربی مقبول احمد ظفر مرحوم)

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 1

والوں کے پاؤں دیکھے۔ اس پر مَیں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر کوئی نظر نیچے کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا: چپ اے ابوبکر! ہم دو ہیں اور ہمارے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ تو یہ ہے وہ توکل کا اعلیٰ معیار جو صرف اور صرف رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ اور پھر آپ دیکھیں جب غار سے نکل کر سفر شروع کیا تو کیا شان استغنا تھی اور کس قدر اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ سفر ہجرت کے دوران جب سراقہ گھوڑے پر سوار تعاقب کرتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گیا تو مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ !اب تو پکڑنے والے بالکل سر پر آ پہنچے اور مَیں اپنے لئے نہیں بلکہ آپ کی خاطر فکرمند ہوں۔ آپؐ نے فرمایا لَاتَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسی وقت آپ کی دعا سے سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ آپ کی خدمت میں امان کا طالب ہوا۔ اس وقت آپؐ نے سراقہ کے حق میں یہ عظیم الشان پیشگوئی فرمائی کہ سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔ اور یہ پیشگوئی بھی بڑی شان سے بعد میں پوری ہوئی۔

پھر وہ شان بھی دیکھیں جب آپ دشمن سے صرف ایک فٹ کے فاصلہ پر تھے اور نہتے تھے اور دشمن تلوار تانے کھڑا تھا لیکن کوئی خوف نہیں۔ کیسا ایمان، کیسا یقین اور کیسا توکل ہے خدا کی ذات پر۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 اگست 2003)

تبرکات

ہستی باری تعالیٰ

(قسط نمبر 2)

(حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ)

پچھلے نمبر میں میں نے اپنے لیکچر کے پہلے حصہ کے نوٹ لکھے تھے اور وہ ذرائع بتائے تھے جس سے ہم کسی بات کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں وہ اعتراض لکھتا ہوں جو ہستی باری تعالیٰ کے عقیدہ پر عام طور پر دہریوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

اعتراض اوّل

چونکہ خدا نظر نہیں آتا اس لئے معلوم ہوا کہ اس کا وجود وہم ہی وہم ہے۔ ورنہ اگر واقعہ میں کوئی وجود ہوتا تو ہمیں نظر آتا۔

جواب نمبر 1۔ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں اور پھر بھی وہ موجود ہیں۔ جیسے ہوا، روح اور زمانہ اور دہریہ بھی ان چیزوں کے وجود کے مقر (معترف) ہیں۔

جواب دوم۔ اگر خدا لوگوں کو نظر بھی آیا کرتا تب بھی اس کو ہر شخص تسلیم نہ کرتا۔مثلاً جو لوگ آنکھوں سے بے بہرہ ہیں اور اندھے ہیں وہ کس طرح خدا کو مانتے؟ ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے مقرر کردہ معیار کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے لوگوں کو نظر آیا کرتا۔تو جو اندھے ہیں وہ نہ دیکھ سکتے اور اس پر وہ تم سے سوال کرتے کہ چونکہ ہمیں خدا نظر نہیں آتا اس لئے اسے نہیں مانتے تو بتاؤ تم ان اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ یقیناً تم انہیں یہی کہتے کہ گو خدا تمہیں نظر نہیں آتا لیکن وہ ضرور موجود ہے کیونکہ ہم خدا کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت کرتے ہیں۔ پس یہی جواب ہم دہریوں کو دیتے ہیں کہ تمہیں وہ نظر نہیں آتا لیکن تب بھی وہ موجود ہے اس کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے غرض کہ اگر دہریوں کے اصول کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے نظر بھی آیا کرتا تب بھی سب مخلوق اسے تسلیم کرتی کیونکہ اندھے نابینا اور موتیا بند والے اور طرح طرح کے امراض چشم میں گرفتار اسے دیکھ نہ سکتے؟ اس لئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دنیا کی تشفی ہو سکتی؟

جواب سوم۔ اگر وہ ان آنکھوں سے نظر آ جاوے اور سب لوگ اس جاہ و جلال والی ہستی کا مشاہدہ کر لیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جاوے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جاویں۔

ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے کیونکہ سمتیں اور جگہیں تو اس کی مخلوق ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کر لے۔سو چونکہ خدا سمتوں کا یہی خالق ہے۔ اس لئے وہ سمتوں سے بھی پاک ہے اور جب وہ سمتوں سے پاک ہوا تو آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔ کیونکہ آنکھ تو اسے ہی دیکھ سکتی ہے جو کسی خاص سمت میں ہو۔ علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا اور محدود ہونا ایک نقص ہے اور خدا نقصوں سے پاک ہے اس لئے بھی ناممکن ہے کہ وہ ان آنکھوں سے نظر آوے۔ سچ ہے لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ز وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ(الانعام:104)

اعتراض دوم

اگر خدا کا کوئی وجود ہے اور واقعہ میں ایک ایسی ہستی ہے جو ہماری خالق اور رازق ہے اور اسی نے نبیوں کو الہام سے اپنے قوانین اور شریعتوں سے اطلاع دی تو چاہئے تھا کہ مذاہب میں اختلاف نہ ہوتا۔ بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ ان کا اُتارنے والا ایک مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ مذاہب میں بجائے اتفاق کے اختلاف ہے اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے۔ اور خدا کا واقعہ میں کوئی وجود نہیں۔

جواب اول۔ مذاہب میں اختلاف ہونے کی وجہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں کیونکہ مذہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخے کے ہوتے ہیں۔جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ تو ایک ہی ہے لیکن چونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں اس لئے ان کے لئے نسخے بھی مختلف تجویز کئے گئے۔مثلاً بنی اسرائیل ایک وقت فرعون اور اس کی قوم کی حکومت کے ماتحت ان کے ظلموں کی وجہ سے ایسے بے غیرت ہو گئے تھے کہ ان میں غیرت اور خودداری اور عزت کا نام بھی باقی نہیں رہا تھا اور کسی سے ظلم کا بدلہ لینے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ اس وقت خدا نے ایک نسخہ بھیجا اس میں درج تھا کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، آنکھ کے بدلے آنکھ غرض اس طرح پُر زور تحریکوں سے ان میں جوش انتقام پیدا کیا۔ پھر جب 14 سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا وقت آیا اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز ہو گئے تھے اس لئے ان کے لئے جو نسخہ آیا اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دے۔ اس کے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آ گیا کہ دنیا کے لوگ دور دراز ملکوں سے آ کر آپس میں ملنے لگے تب ایک مکمل نسخہ آیا جس کی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے کہا کہ انتقام کے موقع پر انتقام لو اور جہاں عفو کا موقع ہو وہاں عفو سے کام لو۔غرض مذاہب میں اختلاف سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔تبھی طبیب نے مختلف مریضوں کے لئے مختلف نسخے تجویز کئے۔ ایک طبیب کے پاس ایک ایسا شخص آئے جسے قبض کی شکایت ہو گی تو وہ طبیب نسخہ میں وہ دوائیاں تجویز کرے گا کہ جو قبض کشا ہوں۔ اس کے بعد جب اسہال کا مریض آوے گا تب وہی طبیب نسخہ میں ایسی دوائیاں تجویز کرے گا جو قبض پیدا کرنے والی ہوں گی۔ کیا ان دو مختلف نسخوں کو دیکھ کر کوئی دہریہ یہ کہے گا کہ ان کا لکھنے والا ایک نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ کہے گا کہ لکھنے والا تو ایک ہی ہے لیکن مریض دو ہیں۔ اس طرح ہم بھی کہتے ہیں بھیجنے والا ایک ہی ہے لیکن نسخوں میں اختلاف اس لئے ہے کہ قوموں کی حالتیں مختلف ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جاوے اور چھان بین کی جاوے تو دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اصل میں وہ سب آپس میں متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔حضرت موسیٰؑ بھی توحید لے کر آئے اور حضرت عیسیٰؑ بھی خدا منوانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ یہ صرف پولوس کی مہربانی تھی کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت کا عقیدہ گھڑا۔ ورنہ نص انجیل سے یہ باتیں ثابت نہیں ہوتیں۔ ان کے بعد اسلام آیا۔ وہ دونوں مذہبوں کا مصداق بن کر آیا۔غرض تمام مذہب آپس میں متفق ہیں اور اصول کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آتا ہے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے۔

اعتراض سوم

اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا کہ کوئی غریب ہے اور کوئی امیر۔ کوئی مریض ہے اور کوئی تندرست۔ کوئی کمزور اور کوئی طاقتور؟

جواب اول۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی لیفٹیننٹ گورنر اور کوئی گورنر۔ کیا یہ استدلال کسی صحیح العقل انسان کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

جواب دوم۔ اصل میں تفرقہ کے بانی چند آدمی ہی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورج چاند، ہوا، پانی وغیرہ تمام چیزیں جن پر زندگی کا مدار ہے سب کو یکساں طور پر دی ہیں اور پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کرتا ہے وہ ترقی کر جاتا ہے دوسرا شخص غفلت سے کام لیتا ہے وہ ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور اس طور پر ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں اور عام اجازت دی ہوئی ہے کہ جو شخص چاہے وہ ان میں داخل ہو جائے۔ اب ایک شخص اپنے بیٹے کو مدرسہ میں داخل کراتا ہے اور تعلیم وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا لڑکا ایک مدت مقررہ کے بعد ایم۔ اے ہو

جاتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص باوجود گورنمنٹ کے اعلان کے سستی کرتا ہے اور اپنے لڑکے کو سکول میں داخل نہیں کراتا اور آوارہ پھرنے دیتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اس کے پڑھنے کی عمر گزر جائے گی اور وہ ایم۔ اے نہ ہو سکے گا۔ اب ان دونوں شخصوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے لیکن اس تفرقہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ کا کوئی قصور ہے۔ بلکہ سراسر قصور اس دوسرے غفلت کرنے والے شخص کا ہے۔ اسی طرح اگر دنیا میں لوگوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ کوئی ایک خالق نہیں یا یہ کہ وہ بخیل اور ظالم ہے بلکہ اس تفرقہ کے ذمہ وار سراسر انسان ہیں۔

تیسرا جواب۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ پھر کچھ ان میں سے اعلیٰ، کچھ ادنیٰ، پھر کوئی کسی کام پر اور کوئی کسی کام پر۔ اگر ایک باورچی خانہ کا داروغہ ہے تو دوسرا باغ کا مالی۔ اسی طرح اس کے اصطبل میں مختلف جانور ہوں گے۔ ایک دس ہزار کا گھوڑا تو ایک دس بیس روپیہ کا گھاس لادنے والا گدھا۔ لیکن باوجود ان مختلف حیثیتوں کے اور باوجود ایسے بیّن تفرقہ کے پھر ان کا مالک ایک ہی ہے۔ اسی طرح اگر مخلوقات میں تفرقہ ہو تو خالق اور مالک کے ایک ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ پھر دیکھو ایک ہی درخت ہے اس میں مختلف چیزیں ہیں۔ پتے ہیں، پھول ہیں، پھل ہیں، شاخیں ہیں، ڈالیاں ہیں، لکڑی ہے، لیکن باوجود ان تفرقوں کے وہ درخت ایک ہی ہے۔

اعتراض چہارم

جو لوگ خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے لوگ جو خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ نسبتاً بہت سے ایسے لوگوں کے جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں زیادہ نیک ہیں۔ اگر خدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جواب اوّل۔ اگر نافرمانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہیں ہے تو یہ تو ایسی بات ہوئی جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ ہندوستان میں بہت سے لوگ چوری کرتے اور ڈاکے مارتے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں ہے یا یہ کہ چوری کرنے والے لوگوں کے نزدیک ہند میں کوئی حاکم نہیں حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ دنیا میں چوری کرنے والے چوری کرتے ہیں اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارا حاکم ہے اور فلاں شخص اس ملک کا بادشاہ ہے لیکن پھر حرص طمع کی وجہ سے وہ چوری کرتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ گناہ کرتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا کی ہستی نہیں۔

جواب دوم۔ یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لا کر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ منہ سے کہنا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں یہ اور بات ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں ان کے دل میں بھی ایمان ہے اس لئے اگر ایسا شخص جو منہ سے کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں اور پھر وہ صریحاً نافرمانی کرتا ہے تو واقعہ میں اس کے دل میں حقیقی اور کامل ایمان نہیں بلکہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔

جواب سوم۔ یہ کہنا کہ بہت سے دہریہ نیک ہیں حالانکہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کوئی نہیں ایک بالکل غلط استدلال ہے کیونکہ جس طرح ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے الہام نازل کرتا ہے اسی طرح ہمارا مذہب ہے کہ اس نے بندوں کی فطرت میں ایک حد تک نیکی کا وجود رکھا ہے۔ سو جو دہریئے نیک ہیں وہ بھی خدا کے فضل سے۔ کیونکہ نیکی کا تخم ان کی فطرت میں اس نے اپنے ہاتھ سے بویا۔

جواب چہارم۔ یہ کہنا کہ دہریئے بھی نیک ہوتے ہیں ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ نیکی کہتے ہیں بادشاہ ملک اور حاکم وقت کے قوانین پر چلنے کو۔ تو جو شخص سرے سے مقنن اور بادشاہ کا ہی منکر اور اس سے باغی ہو وہ کس طرح نیک کہلا سکتا ہے اور اسے کس طرح قوانین پر چلنے والا کہیں گے۔ کیا ایک ہندوستانی جو وائسرائے اور جارج پنجم کو تسلیم نہ کرے اور ان سے باغی ہو۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوانین مروّجہ اور قواعد سلطنت کا بڑا فرمانبردار ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو شخص خالق رازق ہی سے باغی ہو وہ بظاہر ہزار نیک کام کرے کبھی نیک کہلانے کا مستحق نہیں۔

اعتراض پنجم

اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب اوّل۔ یہ سوال ہی مہمل ہے۔ کیونکہ کب زمانہ کا نام ہے اور کہاں مکان کا اور زمانہ اور مکان تو خود دونوں مخلوق چیزیں ہیں وہ خدا پر حاوی کس طرح ہوسکتی ہیں۔ تو جبکہ مکان اور زمانہ خود حادث ہیں تو ان میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم۔ اسی طرح ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں کہ دنیا کب سے ہے اگر وہ کہیں کہ قدیم سے تو ہم کہیں گے کہ خدا بھی قدیم سے۔ اگر وہ کہیں گے کہ دنیا فلاں زمانہ سے ہے تو ہم کہیں گے کہ بس تم نے اقرار کرلیا کہ دنیا قدیم سے نہیں بلکہ حادث ہے تو بتاؤ اس حادث کا محدث کون ہے؟

(الفضل قادیان 31جنوری 1915)

☆...☆...☆

کونگو برازاویل کے ایک گاؤں Ngomabitori میں مسجد کا افتتاح

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کونگو برازاویل کو موخہ 30/ اگست 2020ء بروز اتوار ایک نئی مسجد کا افتتاح کرنے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ۔ یہ مسجد انکائی حلقہ کے ایک گاؤں Ngomabitori میں تعمیر کی گئی ہے۔ یہ گاؤں برازاویل سے پوائنٹ نوار جانے والی مرکزی شاہراہ پر واقع ہے۔

2018ء میں مکرم یوسف بوکولا صاحب معلم سلسلہ کے ذریعے اس گاؤں میں جماعت کا پہلی دفعہ پودا لگا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی سو نفوس پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر لوگ عیسائیت کو خیر باد کہہ کر اسلام احمدیت کی آغوش میں آگئے ہیں۔ الحمد للہ

گزشتہ سال گاؤں کی انتظامیہ نے 30x30 مربع میٹر جگہ مسجد کی تعمیر کے لیے تحفۃً دی تھی۔ ضابطے کی کارروئی کے بعد مورخہ 29/ دسمبر 2019ء کو خاکسار (نیشنل صدر و مشنری انچارج) نے باقاعدہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ مسجد کی تعمیر میں لوکل افرادِ جماعت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وقار عمل کے ذریعے پانی کی ترسیل، اینٹوں کی فراہمی، پلاٹ کی صفائی، رنگ وغیرہ کا کام سرانجام دیا گیا۔ مسجد کی تعمیر کا حصہ 8x6 مربع میٹر ہے جس میں ساٹھ کے قریب افراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔

افتتاح کے موقع پر کورونا وبا کی وجہ سے زیادہ افراد کو مدعو نہ کیا جاسکا۔ اس موقع پر گاؤں کے نمبر دار اپنی کابینہ کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ انکائی جماعت اور جان دذیل کی جماعت کے صدران بھی اس موقع پر تشریف لائے۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ نظم کے بعد مکرم یوسف بوکولا صاحب معلم سلسلہ نے مسجد اور نماز کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ نیز خلافت احمدیت کے ساتھ مضبوط تعلق رکھنے اور چندہ جات میں حصہ لینے کی طرف توجہ دلائی۔ صدر جماعت انکائی مکرم عبد اللہ امپاسی صاحب نے اطاعت خلافت پر زور دیا اور کہا کہ آج خلافت کی ہی بدولت ہمیں اسلام کا پیغام پہنچا اور خلافت ہی کی بدولت آج ہمیں خدائے واحد کی عبادت کرنے کے لیے مساجد نصیب ہو رہی ہیں۔

گاؤں کے نمبر دار نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اتنی خوبصورت مسجد تعمیر کرنے پر جماعت کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ اب ہمارے بچے اور بچیاں دین کی تعلیم سیکھیں گے اور اچھے انسان بنیں گے۔ مسجد کے ذریعے گاؤں کی رونق اور خوبصورتی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اب ہم سب کو مسجد کو آباد رکھنے کے لیے کوشش کرنی ہے۔

پروگرام کے آخر پر معلم صاحب نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور دعا کروائی۔ دعا کے بعد شاملین کی خدمت میں طعام پیش کیا گیا۔ پروگرام کے بعد مزید 8/ افراد کو بیعت کرنے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ۔

(رپورٹ: سعید احمد)

☆...☆...☆

والدہ محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ
اہلیہ مکرم شریف احمد پیر کوٹی صاحب آف حافظ آباد کا ذکر خیر

(از فہیم احمد خادم۔مربی سلسلہ گھانا)

تعارف

محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ، مکرم محمد عبداللہ صاحب کی بڑی بیٹی تھیں۔مکرم محمد عبداللہ صاحب چک چٹھہ اور ڈاہرنوالی (ضلع حافظ آباد) پر مشتمل ایک مشترکہ جماعت کے صدر رہتے تھے۔آپ کی شادی مکرم شریف احمد پیر کوٹی صاحب کلاتھ مرچنٹ حافظ آباد سے ہوئی۔آپ کے ہاں شادی کے 5سال بعد اولاد ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں 5بچوں سے نوازا جن میں 2 لڑکیاں اور 3لڑکے شامل ہیں۔

ماں تو نام ہی پیار اور محبت کا ہے۔ہماری والدہ بھی بس پیار ہی پیار تھیں۔مزاج بہت دھیما تھا۔مجھے یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے کبھی کسی بہن یا بھائی کو مارا ہو یا غصہ میں ڈانٹا ہو البتہ ان کے پیار کی مار ہی کافی تھی جو اثر کر جاتی تھی۔ پڑوس اور عزیزو اقارب سبھی سے پیار تھا۔ان سے ملنا جلنا انہیں اچھا لگتا تھا۔جب کبھی بھی حافظ آباد سے ربوہ آتیں تو سارے عزیز وں کے پاس جاکر ان سے ملنا اور ان کی خیریت دریافت کرنا ان کا معمول ہوتا۔

ناخواندہ تھیں لیکن خدا کے فضل سے قرآن کریم پڑھ لیتی تھیں۔روزانہ نماز فجر کے بعد دھیمی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتیں۔رمضان کے بابرکت ایام آتے تو دو یا تین مرتبہ قرآن کریم کا دور ضرور مکمل کرتیں۔روزوں سے تو عشق تھا۔صحت بہت اچھی تھیں۔ہمیشہ رمضان کے روزے رکھتی تھیں۔اور اس کے بعد شوال کے روزے بھی۔

آپ کو اچار اور مربے بنانے کا شوق تھا۔ اکثر آم، گاجر اور آملہ کے مربے بنایا کرتی تھیں۔خود بھی کھاتیں اور آنے جانے والوں کو بھی کھلاتی تھیں۔ بہت نفیس طبع اور بے حد صفائی پسند تھیں۔

ہم بچے اکثر علمی مقابلہ جات میں انعامات لیتے تھے۔ ہم نے یہ انعام کبھی خود نہیں کھولے بلکہ امی جان کو جاکر دیتے وہ انعامات کھولتیں۔ بے حد خوش ہوتیں اور دعائیں دیتیں۔

آپ نے ہمیشہ اپنی بیٹیوں کے کان میں یہی ڈالا کہ بیٹیوں کے پاس کوئی نہ کوئی ہنر ضرور ہونا چاہئے تاکہ زندگی میں بوقت ضرورت کام آسکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ان کی ایک بیٹی مکرمہ منصورہ مبشر صاحبہ نے سلائی کڑھائی کے کورس کئے اور سوشل ویلفئیر کے شعبہ میں کام کیا۔مکرمہ مبارکہ شریف صاحبہ نے ایل ایچ وی کا کورس کیا اور عملاً سرکاری نوکری بھی کی۔

خاوند کی عزت اور اطاعت

میاں بیوی کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے جو اکثر شکایات اور عدم اطاعت کا شکار ہوجاتا ہے۔والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے درمیان احترام اور محبت کا مثالی تعلق تھا۔اس تعلق میں والدہ صاحبہ کا بہت بڑا کردار تھا۔ان کو والد صاحب سے کسی معاملہ میں اختلاف ہوا تو اس کا ہلکا پھلکا اظہار کیا اور پھر بات مان لی۔

آپ نے ہمیشہ والد صاحب کو عزت کے ساتھ بلایا۔خواہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ان کے خلاف کوئی نازیبا لفظ نہیں بولا۔ ہمیشہ 'تسی' کہہ کر پکارا۔ ہمیشہ اچھی مائیں بچوں کے دل میں والد اور گھر کے سربراہ کی عزت بٹھاتی ہیں کیونکہ اگر یہ عزت نہ رہے تو نہ والد کی عزت ہوگی اور نہ والدہ کی۔اور نہ ہی گھر میں سکون رہے گا۔امی جان ہمیشہ ہمیں سمجھاتی تھیں کہ والد صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ان کا کہنا مانو۔والد صاحب کی طبیعت نسبتاً تیز تھی مگر امی جان نے ہمیشہ بچوں کو ان کی عزت اور اطاعت کا درس دیا۔

مہمان نوازی

بڑی مہمان نواز تھیں۔پوری کوشش ہوتی کہ اپنی بساط کے مطابق آنے جانے والے مہمانوں کی خدمت کرسکیں۔والد صاحب حافظ آباد میں سالہا سال سیکرٹری ضیافت رہے۔دیر ہو یا سویر، صبح ہو یا شام، والدصاحب کی طرف سے پیغام آتا کہ اتنے مہمان ہیں ان کا کھانا تیار کرنا ہے۔بس پھر کیا تھا نہ شکوہ، نہ شکایت، نہ ہی کوئی سوال، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کھانے کی تیاری میں جت گئیں۔یہ نظارے ہم نے کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھے۔مہمانوں کی خاطر تواضع میں خوشی خوشی سارے انتظامات کئے۔والد صاحب کے بطور سیکرٹری ضیافت ہونے کا سہرا یقیناً امی جان کے سر ہے جنہوں نے بہت محنت اور لگن سے حضرت مسیح موعودؑ کے مہمانوں کی خاطر مدارات کیں اور دعائیں سمیٹیں۔

آپ کی چھوٹی بہن خالہ نصیرہ لطیف صاحبہ ابھی بہت چھوٹی تھیں کہ ہماری نانی جان کا انتقال ہوگیا۔چونکہ ہماری والدہ صاحبہ سکینہ بیگم گھر میں بڑی تھیں۔ انہوں نے اس بہن کو پالا۔ ہماری خالہ نصیرہ لطیف صاحبہ کہتی ہیں کہ میں چھوٹی سی تھی کہ امی جان وفات پاگئیں پھر آپا سکینہ نے مجھے ماں بن کر پالا، پڑھایا اور پھر شادی کا انتظام کیا۔ آپ نے ساری زندگی میرا ہر طرح سے خیال رکھا۔ میری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ ان کی بڑی بیٹی مبارکہ شریف صاحبہ میری ہم عمر تھی۔ دراصل یہی میری امی بن گئی تھیں جن کا سایہ شفقت آخری وقت تک میرے سر پر رہا۔ میرے میاں مکرم لطیف احمد پیر کوٹی صاحب وفات پا گئے تو ہر طرح سے میرا خیال رکھا اور مجھے اکیلا محسوس نہ ہونے دیا۔

بچوں کی تربیت کا ایک اچھوتا انداز تھا۔ برادرم مکرم ڈاکٹر مرزا نصیر احمد شریف صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب ہم چھوٹے تھے تو معمول کچھ اس طرح تھا کہ آپ جب صبح اٹھتیں تو نماز فجر پڑھ کر اونچی آواز میں تلاوت کرتیں۔ آپ نے سب بچوں سے کہا ہوا تھا کہ ناشتہ صرف اس بچے کو ملے گا جو نماز پڑھے گا اور اونچی آواز سے تلاوت کرے گا۔ آپ تو خود نماز اور تلاوت کے معاً بعد کچن میں ہمارے لئے ناشتہ کی تیاری میں مصروف ہوجاتیں۔ ہم تھے کہ خوشی خوشی نماز پڑھتے اور جہاں ہوتے اونچی اونچی آواز سے تلاوت کرتے تاکہ امی جان کو کچن کے اندر ہماری تلاوت کی آواز سنائی دے۔

آپ خود پڑھی لکھی تو نہ تھیں۔ آپ کے پاس جماعت کا کوئی عہدہ تو نہ تھا تاہم آپ کو جماعتی پروگراموں میں شرکت کا بے حد شوق تھا۔ آپ باقاعدگی سے لجنہ کی جماعتی تقریبات میں شریک ہوتیں۔مکرمہ بشریٰ صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ان دنوں حافظ آباد کی صدر لجنہ تھیں۔ ان کی طرف سے پیغام آتا کہ فلاں دن فلاں جگہ کا دورہ کرنا ہے۔ آپ فوری طور پر تیار ہوجاتیں اور ان کے ساتھ جاتیں۔ اور اس نیک کام میں خوشی محسوس کرتیں۔ صدر صاحبہ لجنہ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ دوروں پر لے جایا کرتی تھیں۔

دیانت داری

آپ کی طبیعت بہت سادہ تھی۔آپ بڑی دیانت دار تھیں۔ آپ کی ایمانداری کا ایک واقعہ ہمارے بھائی مکرم ڈاکٹر مرزا نصیر احمد شریف صاحب کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ ہم فیکٹری ایریا میں رہتے تھے۔ دار الرحمت غربی کے بازار 'منڈی' میں ایک سبزی فروش مکرم محمد حفیظ صاحب دکان کرتے تھے۔ انہیں لوگ پیار سے 'پھیجا' بھی کہتے تھے۔ میں امی جان کے ساتھ تھا۔ آپ نے اس سبزی فروش سے سبزی لی۔ اس سبزی کی قیمت ادا کی تو بقایا اٹھنی رہ گئی جو آپ کے پاس نہیں تھی۔ دکاندار نے کہا: آپا! کوئی بات نہیں۔ بعد میں دے دینا۔ امی جان نے اٹھنی دینے کا وعدہ کیا اور گھر واپس آگئیں۔ اتفاق سے اگلے روز ہمارے سکول میں تعطیلات ہوگئیں اور ہم تین ماہ کے لئے پیر کوٹ ثانی ضلع حافظ آباد آگئے۔ چھٹیاں گزار کر واپس ربوہ پہنچے تو امی جان نے مجھے ساتھ لیا اور اس سبزی فروش کے پاس پہنچیں اور کہا: بھائی! ہم رخصتوں کی وجہ سے آپ کی اٹھنی وقت پر نہ دے سکے۔ یہ ہے آپ کی اٹھنی۔ وہ کہنے لگا: آپا! مجھے تو یاد بھی نہیں۔ آپ نے اصرار کر کے کہا: مجھے تو اچھی طرح یاد ہے۔ یہ رکھ لو۔ بھائی جان کہتے ہیں کہ بچپن سے یہ واقعہ میرے ذہن پر ثبت ہے کہ کس طرح امی جان نے پوری ایمانداری کے ساتھ وہ اٹھنی اس کے مالک تک پہنچائی۔ حالانکہ یہ بظاہر معمولی سی رقم تھی۔

آپ بڑی دلیر خاتون تھیں۔ ہم محلہ بہاولپورہ حافظ آباد میں ایک گھر میں رہائش رکھتے تھے۔ والد صاحب نے گھر میں دودھ کے لیے ایک بھینس پال رکھی تھی ۔ ایک دن بارش شروع ہوئی تو ساتھ ہی اولے پڑنے شروع ہوگئے۔بھینس اولوں کی شدت کی وجہ سے چھلانگیں لگانے لگی۔بھینس چاہتی تھی کہ کسی طرح رسہ تڑواکر برآمدہ میں آجائے۔ والدہ صاحبہ نے اس وقت بڑی بہادری سے کام لیا اور جاکر پوری کوشش کی کہ کسی طرح رسی کھل جائے۔بھینس کے کھینچنے سے رسی بہت سخت ہوچکی تھی۔ آپ کوشش کے باوجود رسی نہ کھول سکیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چونکہ بارش کی وجہ سے زمین نرم ہوگئی تھی اور بھینس کے زور لگانے کی وجہ سے 'کلا' باہر آگیا اور بھینس فوری طور پر برآمدہ کی طرف چلی گئی۔ امی جان کا بارش اور اولوں کے درمیان جانور کا رسہ کھولنے کی پوری کوشش کرنا یقیناً ان کی دلیری کی علامت ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر قربانیاں

بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر قربانیاں تو آپ کا معمول تھا۔والد صاحب کی رہائش گاؤں پیر کوٹ ثانی میں تھی جہاں وہ اپنی والدہ یعنی ہماری دادی جان کے ساتھ رہتے تھے۔آپ حافظ آباد شہر میں کپڑے کی دکان کرتے تھے۔آپ نے ہماری امی جان اور بچوں کو تعلیم و تربیت کے لیے ربوہ بھجوا رکھا تھا تاکہ ربوہ کے پاکیزہ ماحول میں ان کی تربیت بھی ہو اور زیور تعلیم سے بھی آراستہ ہوسکیں۔یہ تعلیم و تربیت گاؤں میں رہ کر ممکن نہ تھی۔

آپ کو بڑا شوق تھا کہ بچے پڑھ لکھ جائیں۔آپ کے ہاں بڑی بیٹی ہوئی تو اس کی تعلیم و تربیت کی فکر لاحق ہوئی۔ اس کو اپنے میاں کے کزن

مکرم مولوی محمد سعید صاحب سابق انسپکٹر مال کے ہاں چونڈہ ضلع سیالکوٹ بھجوایا جو کہ بعد میں ربوہ شفٹ ہو گئے تھے۔ بڑے بھائی مکرم نصیر احمد صاحب کو جب وہ بہت چھوٹے تھے تو پیر کوٹ ثانی سے قریبی گاؤں اونچے مانگٹ کے سکول میں بھجوایا کرتی تھیں۔ ڈیڑھ میل کا فاصلہ تھا۔ اسکو صبح صبح تیار کرتیں۔ ایک تھیلے نما بستے میں سلیٹ، تختی، قاعدہ وغیرہ ڈال کر دیتیں اور روٹی پکا کر اچار یا مربہ کے ساتھ ایک کپڑے میں الگ سے باندھ دیتیں تا کہ کسی نہ کسی طرح ان کا بڑا بیٹا پڑھ جائے۔ بعد میں ربوہ بچوں کو تعلیم دلوانے کے مقصد کے لئے شفٹ ہوئے۔

اس دور میں ربوہ میں رہنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ گھر محلہ دارالعلوم میں تھا۔ سارے گھر دور دور اور کافی فاصلے پر تھے۔ رات کو گیدڑوں اور دوسرے جانوروں کی آوازیں آتی تھی۔ والدہ صاحبہ کی بڑی قربانی تھی کہ تن تنہا اپنے بچوں کو پال رہی تھیں۔ والد صاحب ہفتہ یا دو ہفتہ کے بعد ایک بار ربوہ چکر لگاتے تھے۔ مگر ہماری والدہ محترمہ پانچ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ والدہ صاحبہ ہمیں ہنس کر بتایا کرتی تھیں کہ جب رات کو گیدڑوں اور دوسرے جانوروں کی آوازیں آتی تو سب بچوں نے ڈر کر کہنا کہ ان کی چارپائی امی کے پاس ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدہ صاحبہ کی چارپائی جس پر خاکسار بھی ہوتا جو ابھی چھوٹا تھا درمیان میں ہوتی اور دوسرے سب بچوں کی چارپائیاں اس کے اردگرد ہوتیں۔ اس نظارے سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے مجھے یعنی والدہ کو ڈر لگ رہا ہے اور سارے بچے مجھے ڈر سے بچانے کے لیے اپنی چارپائیاں میرے اردگرد بچھا رہے ہیں۔

جب رات کو گیدڑوں کی آوازیں آتیں تو آپ نہ صرف خود بہادر بنیں بلکہ بچوں میں بھی کوئی خوف نہیں پیدا ہونے دیا۔ کچھ عرصہ ہم محلہ دارالعلوم میں رہے پھر مکرم مرزا حمید اللہ پیر کوٹی صاحب نے ہمیں الفضل والی گلی محلہ دارالرحمت غربی میں تایا جان مکرم محمد عبد اللہ صاحب کے گھر میں شفٹ کروایا۔

ذرا تصور کی آنکھ سے دیکھیں اکیلی عورت جسے گھر میں اشیائے خورد و نوش کی خریداری کرنی ہے۔ کھانا پکانا ہے گھر کی صفائی ستھرائی کرنی ہے۔ بچوں کو تیار کر کے سکول بھجوانا ہے۔ نماز کا وقت ہے تو مسجد کے لیے اٹھانا اور تیار کر کے مسجد بھجوانا ہے۔ اطفال یا ناصرات کے پروگرام ہیں تو انہیں تیار کر کے ان کے لئے بھجوانا ہے۔ اس اکیلی خاتون کی ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ اکیلے ہی سارے کام خود کر رہی ہیں۔ بچوں کے کپڑے بھی سیتی ہیں اور موسم سرما آنے پر سویٹر بھی خود بنتی ہیں۔

والدہ صاحبہ بتاتی ہیں کہ ایک بار میری ہمسائی کہیں سفر پر جا رہی تھی تو وہ اپنا ریڈیو مجھے دے گئی اور کہا کہ ساری رات اسے چلا کر سو جایا کرو تا کہ باہر والے سمجھیں کہ گھر میں کوئی جاگ رہا ہے اور ریڈیو سن رہا ہے۔ یہ تجویز اچھی تھی اور امی جان نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ ساری ساری رات ریڈیو بجتا اور آپ اور بچے آرام سے سوتے رہتے۔

ایک بار عجب لطیفہ بھی ہوا کہ اس ریڈیو کی گھر میں آمد کے بعد والد صاحب حافظ آباد بڑی تاخیر سے پہنچے۔ گھر پہنچے تو رات بیت چکی تھی گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر ریڈیو چل رہا تھا۔ دروازے کی آواز بھلا کہاں سنائی دیتی۔ والد صاحب نے کافی دیر کے بعد دیوار پھلانگی اور اندر جا کر والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ انہوں نے آواز پہچان کر اندر والا دروازہ کھولا اور یوں والد صاحب گھر میں داخل ہوئے۔

ربوہ میں ابتدائی طور پر ہماری رہائش دارالعلوم میں تھی۔ دو گھر تھے جو ایک ساتھ تھے۔ باقی گھر کافی فاصلہ پر تھے اور الگ الگ تھے۔ یہ حال تھا کہ وہاں سے دریائے چناب دور ہی سے نظر آتا تھا۔ کیونکہ گنجان آبادی نہ تھی۔ یہ گھر آجکل کے لحاظ سے جونیئر جامعہ کی پرانی عمارت کے قریب تھا۔ ایک اور جگہ گھر کچھ تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ ان دنوں گھر میں پانی کا نل تو نہیں تھا۔ ماشکی لگوایا ہوا تھا۔ جو روزانہ پینے کا پانی لاتا اور گھڑے میں ڈال دیتا تھا۔ یہ پانی تو پینے کے کام آتا۔ البتہ گھر کے پاس ایک 'کھوئی' تھی جس سے پانی نکالا جاتا تھا۔ یہ پانی کپڑے دھونے کے استعمال میں آتا تھا۔

ایک بار یوں ہوا کہ پینے کا پانی ختم ہو گیا تو باجی منصورہ، باجی مبارکہ، ہمسایہ میں ایک ہم عمر بچی اور ہمسایہ کی ایک ادھیڑ عمر عورت اپنی اپنی بالٹیاں لے کر پانی لینے کے لئے نکلیں۔ ان دنوں تعلیم الاسلام کالج کی عمارت کے ساتھ ایک نل تھا۔ جہاں سے لوگ میٹھا پانی بھرتے تھے۔ یہ بچیاں جب پانی لے کر واپس آنے لگیں تو ایک آندھی اٹھی اور طوفان میں بدل گئی۔ چھوٹے چھوٹے پتھر اور کلر کا گرد و غبار تھا کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ سب آندھی میں گھر سے آگے نکل گئیں۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں جانا ہے۔ چاروں ایک جگہ بیٹھ گئیں۔ طوفان کچھ تھما اور بجلی چمکی تو ان کو علم ہوا کہ وہ اپنے گھر سے بہت آگے آ گئی ہیں۔ چنانچہ وہ واپس مڑیں اور گھر پہنچیں۔ بالٹیاں ان کے سروں پر تھیں۔ دوسری طرف گھر میں عجیب صورتحال تھی۔ بجلی چلی گئی۔ تین چھوٹے بچے اور والدہ محترمہ تھیں۔ کبھی وہ بچوں کو دیکھتیں اور کبھی دروازہ پر جا کر بچیوں کی راہ تکتیں اور کبھی کھڑکی سے پڑوسیوں سے پوچھتیں کہ کیا بچیاں آ گئی ہیں؟ والدہ صاحبہ تینوں جگہ پر چکر لگاتیں اور پریشانی میں دعائیں کرتی رہیں۔ خدا خدا کر کے بچیاں واپس آئیں تو خدا کا شکر ادا کیا۔ ان کے سروں پر بالٹیاں تھیں جس کا پانی گدلا ہو چکا تھا۔ امی جان کہنے لگیں: کم سے کم اس پانی کو تو گرا دیتیں۔ کچھ بوجھ کم ہو جاتا۔ اس طرح امی جان نے تن تنہا اس قسم کے حالات کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور مشکلات سہیں۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ باجی منصورہ صاحبہ بیان کرتی ہیں، یہ بھی اس امر پر روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح امی جان نے اکیلے رہ کر ربوہ میں بچوں کو تعلیم دلوانے کے دوران مشکلات کا مقابلہ کیا۔ کہتی ہیں کہ میں، بڑی بہن مبارکہ صاحبہ اور ہمسایہ کی ہم عمر بچی، ہم پڑھنے کے لئے نصرت گرلز ہائی سکول جایا کرتی تھیں۔ ہمارا طریق تھا کہ گھر سے سیدھا تعلیم الاسلام کالج کے پاس ہوتے ہوئے ریلوے لائن کراس کرتیں اور پھر وہاں سے سیدھا آہستہ آہستہ سکول جاتیں۔ ہم بچیاں تھیں۔ ایک دن سکول سے واپسی ہوئی ہم نے ریلوے لائن کراس کی تو اپنے بستے ایک طرف رکھ دیئے اور لائن پر ہی پتھروں سے کھیلنے لگ گئیں۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے کھیلنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔ ایک دم کیا دیکھتی ہیں کہ چنیوٹ سے ریل گاڑی ہماری طرف آ رہی ہے۔ ڈرائیور نے بھی دیکھ کر ہارن بجایا۔ ہم نے ڈر کر اچانک چھلانگیں لگا دیں اور لائن سے اتر گئیں۔ جونہی ہم لائن سے اتریں ریل گاڑی تیزی سے ہمارے پاس سے گزری۔ پھر کیا تھا۔ خوف کے مارے ہمارا برا حال تھا۔ حواس باختہ تھیں۔ شدید گھبرا گئیں اور رونے لگیں۔ بستے اٹھائے اور گھر کی راہ لی۔ امی جان کو بتایا تو انہوں نے ڈانٹا بھی اور پیار سے سمجھایا بھی کہ سکول سے سیدھے گھر واپس آتے ہیں۔ آپ یہی کہتیں کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں دنیا کو کیا منہ دکھاتی کہ ربوہ بچے پڑھانے کے لئے لائی اور یہ کیا ہو گیا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری والدہ نے کن کن مشکل حالات میں زندگی بسر کی اور اپنے بچوں کو پالا۔

بچوں کی خاطر ان کی قربانی کا ایک واقعہ ناقابل فراموش ہے۔ بھائی جان مکرم مرزا رشید احمد صاحب نے قانون پڑھنے کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لینا تھا۔ داخلہ کے لیے چودہ سو روپے کی ضرورت تھی۔ ان دنوں یہ ہمارے لیے بہت بڑی رقم تھی اور والد صاحب کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ یہ رقم آسانی سے میسر ہو سکے۔ عورت کو زیور بے حد پیارا ہوتا ہے۔ خصوصاً جب یہ زیور اس کے والدین نے اس کی شادی کے موقع پر دیا ہو مگر ہم قربان جائیں اس ممتا کے پیار پر، انہوں نے اپنا سونے کا ایک خوبصورت گلوبند بیچ کر بیٹے کے داخلے کے لیے انتظام کر دیا۔ یہ بہت بڑی قربانی تھی جس کا نقش ہم سب کے ذہنوں پر بچپن سے ثبت ہے۔ آپ نے اتنی بڑی قربانی کی مگر کبھی جتایا نہیں۔

جب بھائی جان مکرم مرزا رشید احمد صاحب کام کرنے لگے تو والدہ صاحبہ کو کچھ زیور بنوا کر دیا تو بے حد خوش ہوئیں اور دوسروں کو خوشی سے بتاتیں کہ میرے بیٹے نے بنوا کر دیا ہے۔

ہماری والدہ کی انہی لاتعداد قربانیوں کا ہی ثمرہ ہے کہ ہم سب کافی حد تک اپنی صلاحیت کے مطابق پڑھ گئے۔ ایک بچہ ہومیو ڈاکٹر بنا جسے بعد میں معلم سلسلہ خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ایک نے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ایک بچی لیڈی ہیلتھ ویزیٹر بنی اور ایک بچی سوشل ویلفیئر کے شعبہ کی آفیسر بنی اور ایک بچہ مربی سلسلہ بن کر خدمت کی سعادت پا رہا ہے۔ اگر ہم گاؤں میں ہوتے تو ایسا ہونا ہرگز ممکن نہ تھا۔

خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات

آپ ہمیشہ خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔ آپ کو غریبوں کی مدد کا ہمیشہ خیال رہتا۔ یہ مدد آٹا، چینی، چاول اور کچھ روپیہ پیسہ کی صورت میں ہوا کرتی تھی۔ ایک بار جمعہ کے روز خاکسار بھی مسجد میں موجود تھا۔ مکرم محمود ناصر ثاقب صاحب مربی سلسلہ احباب کو حافظ آباد میں دو منزلہ مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر کے لیے نئے منصوبہ سے آگاہ کر رہے تھے۔ آپ احباب جماعت سے مالی قربانی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ امی جان نے اس مالی تحریک پر فوراً لبیک کہا اور تقریر کے دوران ہی اپنے کانوں میں موجود سونے کی دو بالیاں مربی صاحب کو بھجوا دیں کہ یہ ان کی طرف سے مسجد اور مشن ہاؤس کی تعمیر کے لیے عطیہ ہے۔ مکرم مربی صاحب اس جذبہ سے بہت خوش ہوئے اور اسے خوب سراہا۔ انہوں نے اس کی مثال دے کر احباب جماعت کو مزید قربانی کرنے کی تحریک کی۔

آپ کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد ان کے پاس جو زیور موجود ہے وہ صدقہ میں دے دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

آخری دنوں میں آپ اپنے بیٹے مکرم مرزا رشید احمد صاحب کے پاس لندن میں تھیں۔ بھائی جان کے بچے چھوٹے تھے اور چونکہ وہ پہلے اپنی دادی جان کے پاس نہیں رہے تھے لہذا ان میں جھجک تھی۔ امی جان نے کبھی شکوہ نہیں کیا کہ بچے میرے پاس نہیں آتے یا میرے ساتھ گھلتے ملتے نہیں۔ آپ نے صورتحال کو اچھی طرح سمجھا بلکہ بھائی جان کو تسلی کے لئے کہا کہ بیٹا! کوئی بات نہیں۔ میں تو ہمیشہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہوں۔ جب یہ کھیل رہے ہوتے ہیں تو مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے۔

وفات

آخری دنوں کی بات ہے خدا کے فضل سے صحت بہت اچھی تھی۔ آپ

اپنے بیٹے مکرم مرزا رشید احمد طاہر صاحب کے ہاں لندن میں قریباً چھ ہفتے مقیم رہیں۔ آپ کو روزے رکھنے کی بھی توفیق ملی۔ بھائی جان کہتے ہیں کہ ہرنیا کی وجہ سے ان کی طبیعت کچھ خراب ہوئی تو میں انہیں ہسپتال لے گیا۔ راستہ میں معمول کے مطابق باتیں ہوتی رہیں۔ ہر چیز نارمل تھی۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کرتے ہی اگلے روز آپریشن کرنے کا کہا۔ شام ہوئی تو بھائی جان نے گھر جانے کی اجازت مانگی تو کہنے لگیں: رشید! میرے بعض نئے کپڑے ہیں ان میں سے کچھ کپڑے اپنی بیوی محمودہ کو دے دینا اور کچھ کپڑے میری بہن نصیرہ کو پاکستان بھجوا دینا۔ بھائی جان نے کہا کہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ مگر انہوں نے اپنی بات پر اصرار کیا کہ جیساوہ کہہ رہی ہیں ویسا ہی کیا جائے۔ ان کو یقیناً احساس ہو چکا تھا کہ اب ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپریشن تو کامیاب ہو گیا مگر اس کے بعد ان کی حالت بگڑ گئی اور آپ اپنے مولا کریم کو پیاری ہوگئیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

آپ کے میاں یعنی ہمارے والد صاحب مؤرخہ 2دسمبر 2009ء کو اپنے مولاکریم کو پیارے ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اس موقع پر آپ نے بڑے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔

آپ مؤرخہ 16 اگست 2011ء کو لندن میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مسجد فضل لندن میں آپ کا جنازہ حاضر پڑھایا۔

پسماندگان

ان کے پانچ بچے ہیں۔

1۔ مکرمہ مبارکہ اختر صاحبہ اہلیہ مکرم محمد شریف قیصر صاحب حال کینیڈا

2۔ مکرمہ منصورہ شریف صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب حال نیو جرسی۔ امریکہ

3۔ مکرم ہومیو ڈاکٹر مرزا نصیر احمد شریف صاحب حال معلم سلسلہ کوٹلی۔ آزاد کشمیر

4۔ مکرم مرزا رشید احمد صاحب حال یو کے

5۔ خاکسار فہیم احمد خادم مربی سلسلہ حال گھانا

اللہ کے فضل سے ان کے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کی تعداد 22 ہے جس میں سے دو پوتے مکرم مرزا دانیال احمد صاحب اور مرزا سفیر احمد صاحب مربیان ہیں اور ربوہ میں خدمت دین کی توفیق پا رہے ہیں اور ایک نواسہ مکرم اسفند سلیمان صاحب مربی سلسلہ ہیں اور کینیڈا میں خدمت دین کی توفیق پا رہے ہیں اور ایک پوتا مکرم مرزا ابتسام احمد صاحب اس وقت جامعہ احمدیہ لندن میں زیر تعلیم ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ ہماری والدہ محترمہ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے اور ان کی آئندہ نسل کو انکی نیکیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

والدین کی خدمت میں دین و دنیا کی بھلائی

(تانیس عمران کاہلوں)

ارشادات الٰہی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔‘‘

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی آیت 24 اور 25 میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ’’تیرے رب نے اس بات کا تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور نیز یہ کہ اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر تیری زندگی میں بڑھاپا آجائے تو انہیں ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اُف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے ہمیشہ نرمی سے بات کر‘‘۔

اور والدین کیلئے یہ دعا سکھائی کہ ’’اور رحم کے جذبہ کے ماتحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کرو اور ان کیلئے دعا کرتے وقت کہا کہ اے میرے رب! ان پر مہربانی فرما کیونکہ انہوں نے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی‘‘۔

ایک اور جگہ سورۃ النساء آیت 37 میں فرمایا: ’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ بہت احسان کرو‘‘۔

پھر سورۃ احقاف آیت 16 میں فرمایا: ’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے احسان کی تعلیم دی تھی کیونکہ اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا تھا اور پھر تکلیف کے ساتھ اس کو جنا تھا اور اس کے اٹھانے اور اس کے دودھ چھڑانے پر تیس مہینے لگے تھے‘‘۔

قرآن کریم کی ان جملہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بعد والدین کے ساتھ غیرمعمولی حُسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ایسی تاکید فرمائی ہے کہ کسی بھی لمحے والدین کی خدمت اور ان کی تعظیم سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

والدین کی غیرمعمولی خدمت اور ان کی عزت وتکریم کرنے کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ ہمارے والدین نے ہماری پیدائش اور پرورش میں بہت زیادہ تکلیف کا سامنا کیا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ یہ حق رکھتے ہیں اور اولاد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے اور ان کی غیرمعمولی خدمت کی جائے۔

ارشادات نبوی

حسن سلوک کا مستحق

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ پھر اس نے پوچھا، پھر کون! آپ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا پھر کون! آپ نے فرمایا: ماں کے بعد تیرا باپ تیرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری، کتاب الادب)

بدقسمت شخص

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مٹی میں ملے اس کی ناک مٹی میں ملے اس کی ناک (یہ الفاظ آپ نے تین بار دہرائے) یعنی ایسا شخص قابل ندامت اور بدقسمت ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضور! کونسا شخص؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پایا اور پھر ان کی خدمت کرکے جنت میں داخل نہ ہوسکا۔ (مسلم، کتاب البر والصلہ)

بہترین نیکی

حضرت ابوعبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی بہترین نیکی یہ ہے کہ والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے جب کہ اس کا والد فوت ہوچکا ہو یا کسی اور جگہ چلا گیا ہو۔ (مسلم، کتاب البر والصلہ)

والدین کیلئے نیکی

حضرت ابواسید الساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنی سلمہ کا ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ! والدین کی وفات کے بعد کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کے لئے کرسکوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں کیوں نہیں۔ تم ان کے لئے دعائیں کرو، ان کیلئے بخشش طلب کرو۔ انہوں نے جو وعدے کسی سے کر رکھے تھے انہیں پورا کرو۔ ان کے عزیز واقارب سے اسی طرح صلہ رحمی اور حسن سلوک کرو جس طرح وہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان کے دوستوں کے ساتھ عزت و اکرام کے ساتھ پیش آؤ۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

والدین کی خدمت بعض حالات میں اتنی اہمیت اختیار کرجاتی ہے کہ حقوق اللہ پر بھی مقدم ہوجاتی ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے مخصوص حالات میں والدین کی خدمت اور اطاعت کو نماز، حج اور جہاد پر بھی اوّلیت عطا فرمائی ہے۔ جس کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مقبول حج اور والدین کی خدمت کا جہاد

والدین کی خدمت و فرمانبرداری کا ثواب گویا حج وعمرہ اور جہاد کے برابر ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کی قدرت نہیں۔

رسول اللہ نے دریافت فرمایا

کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔؟

اس شخص نے کہاہاں میری والدہ زندہ ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرکے اللہ تعالیٰ سے ملو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے (کی طرح) ہو۔ » (الترغیب و الترہیب)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ماں باپ کا اطاعت شعار وخدمت گزار فرزند، جب ان کی طرف رحمت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

کے لئے ہر نگاہ کے بدلے میں حج مبرور کا ثواب لکھتا ہے، صحابہ کرام نے پوچھا ’’یا رسول اللہؐ! اگرچہ وہ ہر روز سو بار دیکھے؟ آپ نے فرمایا! ہاں، اگرچہ وہ سو بار دیکھے، اللہ تعالیٰ بڑا پاک اور بہت بڑا ہے (مشکوۃ شریف صفحہ ۴۲۱)

چنانچہ حضرت اویس قرنیؓ کی والدہ جب تک زندہ رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے حضرت اویس قرنی نے حج نہیں کیا اور ان کی وفات کے بعد حج کا فریضہ ادا کیا۔
(صحیح مسلم - کتاب فضائل الصحابۃ - إن رجلا یأتیکم من الیمن یقال لہ أویس)

تاریخ میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ جب تک زندہ رہیں ان کی خدمت کی وجہ سے حضرت ابوہریرہؓ نے بھی حج نہیں کیا۔

حضرت معاویہؓ بن جاھمہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد جاھمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد میں شرکت کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے رہنمائی لینے آیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تیری ماں موجود ہے انہوں نے کہا ہاں۔

فرمایا: پھر اس کی خدمت میں لگ جا کیونکہ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔ (سنن نسائی حدیث 3106)

مقبول دعائیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تین دعائیں جو لازماً قبول ہوتی ہیں۔ والد کی دعا۔ مظلوم کی دعا۔ مسافر کی دعا۔ (بیہقی، صحیح الجامع 2032)

اسی لئے قرآن کریم نے والدین کو اولاد کے حق میں دعائیں سکھائی ہیں اور بزرگوں کا یہی وطیرہ ہے۔

حصول جنت

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے ماں اور باپ دونوں کی اطاعت کرتے ہوئے دن کا آغاز کیا اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اگر ایک کی اطاعت کی ہو تو ایک دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور جس نے ماں باپ دونوں کی نافرمانی کرتے ہوئے صبح کی اس کے لئے جہنم کے دو دروازے کھل چکے ہوتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کی ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ کسی نے پوچھا اگر ماں باپ ظالم ہوں تو کیا پھر بھی ایسا ہو گا فرمایا اگرچہ وہ ظالم ہوں اگرچہ وہ ظالم ہوں اگرچہ وہ ظالم ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب)

عمر اور رزق میں برکت کا گُر

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کی عمر لمبی ہو اور رزق میں فراوانی ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی کی عادت ڈالے۔ (مسلم کتاب البر والصلہ، مسند احمد)

رضائے الٰہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی رضا والد کی رضا میں مضمر ہے اور خدا کی ناراضگی میں پوشیدہ والد کی ناراضگی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

وبالوالدین احسانا

والدین کے ساتھ جہاں تک احسان کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ قطعی امر ہے کہ انسان اپنے والدین کے احسانات اتار نہیں سکتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک شخص کا پورا مال اس کے والد کی ملکیت قرار دیا۔ یہ ورثے کا اور قانونی مسئلہ نہیں تھا بلکہ تربیتی اور اخلاقی لحاظ سے اولاد کو ایک زبردست نصیحت تھی چنانچہ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے پاس مال ہے اور اولاد بھی ہے۔ لیکن میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے۔ اس بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہنمائی فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’تو اور تیرا مال سب تیرے والد کا ہے پھر فرمایا تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے اپنی اولاد کی کمائی سے کھا سکتے ہو‘‘۔ (سنن ابن ماجہ حدیث 2282)

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے اور آپ ﷺ چھ سال کے تھے کہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بھی رحلت فرما گئیں۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تقدیر الٰہی کے ماتحت والدین کی براہ راست خدمت کا موقع تو نہیں ملا مگر ان کیلئے آپ ﷺ کے دل میں محبت کے بے پناہ جذبات تھے۔ جن کے ماتحت آپ مسلسل درد سے ان کے لئے دعائیں کرتے رہے مگر ان کی خدمت کے جذبہ کی تسکین آپ نے رضاعی والدین کی خدمت کر کے حاصل کی۔

حافظ ابن جوزی نے الحدائق میں لکھا ہے کہ حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ مکہ میں آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر قحط اور مویشیوں کی ہلاکت کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے مشورہ کیا اور رضاعی ماں کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ مال سے لدا ہوا دیا۔

ایک خاتون جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ حضورؐ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ جب وہ حضور کے پاس آئیں تو حضور نے امی امی کہتے ہوئے ان کیلئے اپنی چادر بچھائی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔

حضرت ابوالطفیلؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ مقام پر گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب چلی گئی۔ حضور نے اس کی بہت تعظیم کی اور اس کیلئے اپنی چادر بچھادی۔ میں نے پوچھا یہ عورت کون ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ ہیں۔۔ (مسلم کتاب البر والصلہ)

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں تو آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی والدین سے محبت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی والدہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب کبھی ان کا ذکر فرماتے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔

شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب کا چشم دید بیان ہے کہ حضورؑ ایک مرتبہ سیر کی غرض سے اپنے پرانے قبرستان کی طرف نکل گئے۔ راستہ سے ہٹ کر آپ ایک جوش کے ساتھ اپنی والدہ صاحبہ کے مزار پر آئے اور اپنے خدام سمیت ایک لمبی دعا کی۔ حضورؑ جب کبھی حضرت والدہ صاحبہ کا ذکر کرتے تو آپ چشم پُر آب ہو جاتے۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اپنی کتاب ’’سلسلہ احمدیہ‘‘ جلد اول میں بھی حضورؑ کی اس محبت کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ خاکسار راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی حضرت مسیح موعودؑ اپنی والدہ کا ذکر فرماتے تھے یا آپ کے سامنے کوئی دوسرا شخص آپ کی والدہ کا ذکر کرتا تھا تو ہر ایسے موقعہ پر جذبات کے ہجوم سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور آواز میں بھی رقت کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت آپ کا دل جذبات کے تلاطم میں گھرا ہوا ہے اور آپ اسے دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا نام چراغ بی بی تھا اور وہ ایمہ ضلع ہوشیار پور کی رہنے والی تھیں اور سنا گیا ہے کہ آپ کی والدہ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی اور سب گھر والے آپ کو ماں کا محبوب بیٹا سمجھتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ اپنے والد ماجد کے متعلق اپنی تصنیف ’’کتاب البریہ‘‘ میں فرماتے ہیں:۔۔۔۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے بر بالوالدین جانتے تھے۔

☆...☆...☆

طلوع وغروب آفتاب

10 ستمبر 2020ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	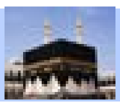	04:49	18:28
مدینہ منورہ	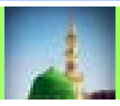	04:47	18:31
قادیان	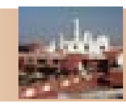	04:49	18:41
ربوہ		04:27	18:21
اسلام آباد ٹلفورڈ		05:01	19:28